© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

مسائل کی جنم: نجات کس طرح؟

خرم مراد

زندگی' انسان کے پاس سب سے بڑی نعمت ہے۔ دنیا کی ہر نعمت اور ہر مزہ زندگی کے دم تک ہے' آخرت کی لازوال نعمتیں حاصل کرنے کا موقع بھی زندگی کے دم سے ہے۔ زندگی ہی کیونکہ اصل نعمت ہے' اس لیے زندگی بسر کرنا' اطمینان' خوشی اور لذت کا کام ہونا چاہیے۔ لیکن سوچیے تو آپ کا دل خود پکار اٹھے گا کہ آج ہر جگہ زندگی گزارنا ایک انتہائی اذیت اور مصیبت کا کام بن گیا ہے' اور زندگی شدید دکھ درد اور پریشانیوں کا بوجھ بن گئی ہے۔

یقیناً انسان کی زندگی کبھی بھی دکھ درد اور مصیبت سے خالی نہیں رہتی ہے۔ ایک دکھ درد کی مشقت تو وہ ہے جو اس کے خالق نے اس کی جان کے ساتھ لگا دی ہے۔ اس دکھ درد سے کوئی مفر نہیں' اس لیے کہ یہ انسان کے امتحان کے لیے ناگزیر ہے۔ اس بات کا امتحان کہ وہ دو راہوں میں کون سی راہ چلتا ہے: نیکی کی راہ یا بدی کی۔ لیکن ایک دکھ درد وہ ہے' اور جس سے بچنا اس کے بس میں ہے' جو انسان خود اپنی بدعملی' بے راہ روی اور طغیانی کے نتیجے میں مول لیتا ہے' خصوصاً اجتماعی زندگی کی بدعملی اور معاشرہ کی بے راہ روی کے نتیجے میں۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ انسانی زندگی کی خرابیوں کی ساری جڑیں اس کے اجتماعی نظام اور معاشرہ میں ہیں' یا اجتماع و معاشرہ اس کے دل و روح سے بالکل الگ کوئی چیز ہیں۔ نہیں' حقیقت یہ ہے کہ انسان کے بناؤ اور بگاڑ کا اصل سرچشمہ اس کے اندر' اس کا مرکز شخصیت' اس کا دل ہے: الا وھی القلب' اچھی طرح جان لو' یہ دل ہے (حدیث)۔ مگر خالق نے اس کے وجود میں ظاہر و باطن کے دو بالکل الگ الگ یا باہم متصادم خانے نہیں بنائے ہیں' دونوں باہم تاثیر و تاثر کے عمل میں مربوط ہیں۔ دل کے روگ معاشرے کو بیمار بناتے ہیں' اور معاشرے کی بیماریاں دل کو' اور اس طرح انسان کی زندگی کا دکھ درد بڑھتا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان ہمیشہ دکھی ضرور رہا ہے، لیکن آج کے زمانے میں ہم انسانوں کی زندگی جس وسیع پیمانے پر اور جتنے گوناگوں اور نت نئے آلام و امراض اور دکھ درد سے بھر گئی ہے اور بھرتی چلی جا رہی ہے، اس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

اپنے ملک کی حالت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، ہمیں اس کا مسلسل تجربہ ہو رہا ہے: عام آدمی کو پیٹ بھرنے کی فکر میں تگ و دو کرتے صبح سے شام ہو جاتی ہے، پھر ایک نیا دن شروع ہو جاتا ہے، پھر وہی تگ و دو ہوتی ہے، اس کے بعد بھی پیٹ نہیں بھرتا اور ضروریات زندگی پوری نہیں ہوتیں۔ روزگار نایاب ہے، ملتا بھی ہے تو سفارش کے بغیر نہیں۔ دن دونی رات چوگنی بڑھتی ہوئی ہوشربا قیمتوں کے ساتھ اوسط آمدنی والے اپنے روزمرہ کا خرچ پورا کرنے کا سوچ بھی نہیں کر سکتے۔ رہائش کے لیے صاف ستھرا مکان، تو وہ بس سے باہر ہے۔ علاج، تو اس کے کمرتوڑ اخراجات اور ہسپتالوں کے چکر بس سے باہر ہیں۔ اچھی تعلیم، وہ بس سے باہر ہے۔ جو بچے بڑے جتن سے تعلیمی اداروں میں داخل ہو جاتے ہیں، ان میں سے صرف ۔ فی صد میٹرک کر پاتے ہیں، اور جن کے ہاتھ میں سند آبھی جاتی ہے، میٹرک کی ہو یا ایم اے کی، ان میں اکثر یہ کاغذ کا ٹکڑا لیے روزگار کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کا پیٹ خوب بھرتا ہے، مگر انھیں اسے اور بھرنے کی تگ و دو میں صبح سے شام ہو جاتی ہے، جنھیں زندگی کی ہر نعمت اور لطف فراوانی کے ساتھ میسر ہے، لیکن پھر بھی میسر نہیں تو اطمینان اور چین۔ اقبال کے یہ الفاظ کتنے صادق آتے ہیں:

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے
قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکر معاش

دوسری طرف لوٹ کھسوٹ، رشوت اور بددیانتی کا بازار گرم ہے۔ یہاں تک کہ یہی ہمارے ملک کا کلچر بن گیا ہے، اور اس کلچر میں ہم اتنے ترقی یافتہ ہیں کہ ہمارا شمار دنیا بھر میں ہمارا تیسرے نمبر پر کیا جا رہا ہے۔ چند لوگ ہیں جن کے پاس طاقت اور اختیار ہے، جنھوں نے اپنے حق سے زیادہ زر اور زمین حاصل کر لی ہے، وہ اپنے جیسے انسانوں کی گردنوں پر سوار ہیں، ان کو کمزور بنا کر ان کے حقوق دبا رہے ہیں، اور ان کو زندگی کی معمولی خوشیوں سے بھی محروم کر دیا ہے۔ پولیس جسے امن و امان اور انصاف کا نشان ہونا چاہیے، ظلم اور بربریت کا نشان بن گئی ہے، اور اس کے ہاتھوں امن، عزت اور مال سب تباہ ہیں۔ عدالتوں میں جیبیں خالی کر کے بھی انصاف نہیں ملتا۔ ماحول روز بروز گندا ہوتا جا رہا ہے یہاں تک کہ گھر کے اندر ہو یا باہر، دل و نگاہ کو پاک رکھنا محال ہے۔ سب جو ان خرابیوں کے ذمہ دار ہیں، وہ "تعلیم یافتہ" لوگ ہیں، "روشن خیال"، "مہذب"، "تہذیب یافتہ" شمار ہوتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ سب کیوں ہے؟ اس لیے کہ قوم کے سامنے کوئی سمت اور مقصد نہیں جس کے ساتھ وابستگی اور وفاداری ذاتی اور گروہی وابستگیوں پر غالب آئے ۔ جس مقصد کو سامنے رکھ کر یہ ملک بنایا گیا تھا' اسے اس مقصد سے مختلف سمت میں لے جایا جا رہا ہے ۔ چنانچہ اخلاق اور نظم و ضبط کے بندھن ڈھیلے پڑتے جا رہے ہیں' اور ہوائے نفس کے علاوہ کوئی معبود نہیں رہ گیا ہے ۔

امت مسلمہ کی کیفیت کچھ مختلف نہیں ہے: بہترین انسانی اور مادی وسائل کے خزانے ضائع جا رہے ہیں' یا ثمن قلیل کے عوض فروخت ہو رہے ہیں ۔ حکمرانوں اور عوام کے درمیان' عام مسلمانوں کے درمیان' نزاع' تصادم اور خون ریزی نے حیات اجتماعی کو توڑ پھوڑ کر ناکارہ بنا دیا ہے ۔ حکمران بالعموم بے حس اور قوم فروش ہیں' اور عوام غفلت' کم ہمتی' مایوسی اور بے عملی کا شکار ۔ ہر پانچواں انسان مسلمان ضرور ہے' مگر مسلمان کا وزن دنیا میں خس و خاشاک سے زیادہ نہیں ۔

اس لیے کہ مسلمان دنیا کی وہ منفرد قوم ہیں جس کا وجود ایک مشن اور مقصد پر منحصر ہے ۔ یہ مشن اس کے نام میں عیاں ہے ۔ لیکن امت نے اس مشن کو فراموش کر دیا ہے' اور اس باب میں اللہ نے اس سے جو عہد لیا تھا' اسے اس نے پس پشت ڈال دیا ہے ۔ یہ نقض عہد کا لازمی نتیجہ ہے جو اس کو درپیش ہے ۔

مغرب کی جن قوموں کی قوت و طاقت' مادی ترقی' ٹیکنالوجی کی برتری' اسباب زندگی کی فراوانی اور سیاسی برتری کی چمک دمک سے ہماری آنکھیں چکاچوند ہو رہی ہیں' ان کی حالت کئی پہلوؤں سے یقیناً ہم سے بہتر ضرور ہے' لیکن ان کے انسان اور ان کے معاشرے کے دکھ درد ہم سے کچھ کم نہیں ۔ ان کے راہ نما اور دانش ور مسلسل بڑی شدت سے اس پر اپنے کرب و اضطراب کا اظہار کر رہے ہیں ۔

معاشرہ کی خرابیاں سب کی نگاہ کے سامنے ہیں:

خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے' آدھی سے زیادہ شادیاں طلاق پر ختم ہوتی ہیں ۔ عورت کو اپنے جسم اور زندگی پر ایک درجہ میں اختیار ضرور مل گیا ہے' لیکن اس سے اس کے انسانی شرف میں اضافہ نہیں ہوا ۔ وہ مال فروخت اور ذریعہ تجارت بن گئی ہے ۔ اس سے مفت لذت اندوزی کے دروازے چوپٹ کھل گئے ہیں' نتیجہ یہ ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ بچوں والے گھر باپ سے محروم ہیں ۔ طلاق زدہ اور بے باپ کے گھروں سے اٹھنے والے بچے جرائم' مفلوک الحالی اور تعلیمی پستی میں روز بروز اضافے کا باعث ہیں ۔

سود اور قرضوں کی بہتات نے معیشت کے غبارے میں ہوا بھر کے اسے بہت بڑا اور پرکشش ضرور بنا دیا ہے' مگر وہ کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے ۔ مغرب میں مستحکم اور جمہوری سیاسی نظام اور پرامن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتقال اقتدار، تمدن انسانی کی بہت بڑی پیش رفت ہے، لیکن حکومتوں اور حکمرانوں سے مایوسی عام ہے۔ عام شہری یہ سمجھنے لگا ہے کہ اسے چہرے بدلنے کا اختیار تو ہے، پالیسی اور نظام کا رخ بدلنے کا نہیں۔

ایک طرف بہتر سے بہتر اسباب زندگی کے لیے انسان کے بڑھتے ہوئے مطالبات، اور ان کو پورا کرنے کے لیے پیداوار میں مسلسل اور لامحدود اضافے کی طلب نے زمینی وسائل میں تشویش ناک کمی پیدا کر دی ہے اور ماحول پر کاری زخم لگائے ہیں: جنگلات ختم ہو رہے ہیں، زمین بنجر ہو رہی ہے، ماحول آلودہ ہو رہا ہے، کاربن ڈائی آکسائیڈ بڑھ رہی ہے، موسم بدل رہا ہے، فضا میں اوزون گیس کی چھتری میں بڑے بڑے سوراخ ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف انسان خود اپنے ہاتھوں خودکشی کر سکتا ہے۔ ایٹمی اسلحے کے خنجر سے لیس ہو چکا ہے، جب چاہے بٹن دبا کر عالم گیر تباہی و بربادی مچا سکتا ہے، قوم اور قوم کے درمیان تعلق، انسان اور انسان کے درمیان تعلق، خود غرضی، شک، بے اعتمادی، تعصب، نفرت، استحصال اور تشدد کے بے پناہ فساد کا شکار ہے۔ ٹی وی کی اسکرین کے ذریعے وہ بظاہر ساری دنیا سے باخبر رہتا ہے، لیکن گھر کے دروازے سے ملے ہوئے پڑوسی کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا، نہ اس سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ تعلقات بالعموم مشینی ہیں، غیر ذاتی ہیں، دنیا کی خاطر ہیں۔ ایک کشتی میں سوار ہونے کا احساس مفقود ہے۔ بلکہ انسانوں کے درمیان نسل، رنگ اور زبان کی بنیاد پر نفرت کی ایسی دیواریں کھڑی ہو گئی ہیں جن کو نہ عبور کیا جا سکتا ہے، نہ ڈھایا جا سکتا ہے۔ ان نفرتوں کی اور قومی مفادات کی بھینٹ اتنا انسانی خون چڑھایا گیا ہے کہ اس صدی کو بلاخوف تردید تاریخ کی سب سے خونیں صدی کہا جا سکتا ہے۔

لیکن دکھ درد کا شکار صرف حیات اجتماعی ہی نہیں، فرد بھی ہے۔ اس کا دل اور اس کی زندگی اطمینان اور چین سے محروم ہیں۔ اس کی انفرادیت ضائع ہو گئی ہے، وہ ایک ہجوم (mass) کا حصہ بن گیا ہے۔ اس کی تگ و دو کا واحد ہدف بھی زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر مادی سہولیات کا حصول بن کر رہ گیا ہے۔ پس ماندہ ممالک کے لوگوں کی طرح اس کی زندگی کا پہیہ بھی صبح سے شام تک معاش کے چکر میں گھومتا ہے۔ معلومات کا سیلاب ہے، لیکن وہ اپنے کردار اور حکمت سے بھی محروم ہے جو اس کے بے پڑھے لکھے آباو اجداد کے پاس تھا۔ وہ کاک اور کمپیوٹر سے خوب آشنا ہے، لیکن بنیادی انسانی علم و حکمت اور اقدار سے اس کی ناشناسائی اور اجنبیت روز بروز بڑھ رہی ہے۔

اس عالم گیر فساد اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دکھ درد کا سبب کیا ہے؟ یہ سبب انسان کے اپنے اعمال کے سوا اور کچھ نہیں۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم ۳۰: ۴۱)۔ کیونکہ سوچ اور عمل میں انسان کی بے راہ روی، طغیانی اور بدعملی اس حد تک بڑھ گئی ہے جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حد تک وہ پہلے کبھی نہیں پہنچی، اس لیے اسی تناسب سے اس کے دل اور معاشرے کے روگ بھی بے حد و حساب بڑھ گئے ہیں۔

یہ طغیانی ازل سے ایک ہی رہی ہے، اور آج بھی وہی ہے: اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ شرک، اس سے استغنا اور اس سے خود مختاری، آخرت سے بے پروائی اور انبیا علیہم السلام کی ہدایت سے بے نیازی۔ یہ تینوں الگ الگ چیزیں نہیں، ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کا تعلق رکھتی ہیں، ایک ہی خرابی کے تین پہلو ہیں:

یہ ہیں عاد، اپنے رب کی آیات سے انھوں نے انکار کیا، اس کے رسولوں کی بات نہ مانی، اور ہر جبار دشمن حق کی پیروی کرتے رہے۔ آخر کار اس دنیا میں بھی ان پر پھٹکار پڑی اور قیامت کے روز بھی (ھود ۱۱: ۵۹-۶۰)۔

ہرگز نہیں، انسان طغیانی کرتا ہے، اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو اپنے خالق اور رب سے بے نیاز سمجھتا ہے، (حالانکہ) پلٹنا یقیناً تیرے رب ہی کی طرف ہے [جس کی وہ پروا نہیں کرتا] (العلق ۹۶: ۶-۸)۔

شرک کا مرض پہلے بھی رہا ہے، گھڑے ہوئے خداؤں کی پرستش بھی رہی ہے، خدا کی نافرمانی بھی ہوتی رہی ہے، لیکن بالعموم انسان نے خود کو خدا اور دوسرے معبودوں کا محتاج سمجھا ہے، دل اور زندگی کا خانہ خدا کی طرف دھیان سے بالکل خالی نہیں کیا ہے۔ لیکن انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ یہ طغیانی اس مقام پر پہنچی ہے کہ ۔۔ اگرچہ انسان نے نہ خدا کا انکار کیا، نہ بت سے خدا بنائے۔۔ اس نے اپنی مکمل خود مختاری کا اعلان کیا، کسی بھی ماورائے انسانی سرچشمہ سے ہدایت کی ضرورت اور موت کے بعد جواب دہی سے مکمل انکار کیا۔ پھر صرف اعلان ہی نہیں کیا، بلکہ پوری تہذیب میں اس خود مختاری اور انکار کی روح بھر دی، اور ایک پورا دور تہذیب انھی بنیادوں پر قائم کیا، جس کی پیشانی پر صاف صاف لکھا ہوا ہے: "ہم بالغ ہو گئے ہیں، اب ہمیں کائنات کی کسی چیز کی توجیہ کے لیے، یا زندگی بسر کرنے کے لیے کسی راہ نمائی کے لیے، کسی خدا کی ضرورت نہیں۔ اب انسان خود ہی اپنا مطلوب ہے، اور خود ہی اپنا معیار ہے"۔

بظاہر تو خدا کو پرائیویٹ زندگی میں باقی رکھنے کی آزادی دی گئی ہے، مگر جب اس کی بندگی کو پبلک زندگی سے خارج کر دیا جائے، تو دل اور گھر میں بھی اس کی جگہ سکڑتی چلی جاتی ہے۔ اس طرح اس کا دل خدا سے بالکل خالی ہو گیا۔ خدا کے خانے میں خلا ناممکن ہے، چنانچہ اس خالی جگہ میں دیوؤں اور عفریتوں نے خدائی کا منصب سنبھال لیا۔ رب الناس کا منصب ٹیکنالوجی (اور سائنس) نے سنبھالا، ملک الناس کا مقام عوام کے حصہ میں آیا، اور الٰہ الناس کی مسند پر خواہش و ہوئی اور قوم و وطن فائز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے۔ اس طرح ایک نئی تثلیث مکمل ہوگئی، اور انسانیت کا سفر تیزی سے فساد کی طرف شروع ہو گیا: "اس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا، وہ اپنی خواہش پوری کرنے کے پیچھے لگ گیا، اور اس کا ہر کام افراط و تفریط پر مبنی ہو گیا (الکہف ۱۸: ۲۸)

خدا کے بجائے جب خواہشِ نفس الٰہ بنی، تو اس کی ہر مرضی کا پورا کرنا ضروری ٹھہرا۔ ہر خواہش پوری کرنے کے لیے جو کچھ کرنا اور بنانا ممکن ہو اس کو روبہ عمل لانا عین مطلوب ہوا، اس سے قطع نظر کہ اس کے اخلاقی، معاشرتی یا ماحولیاتی نتائج کیا ہوں گے۔ دنیوی زندگی کی ہر سہولت اور ہر لطف حاصل کرنا، زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا، اور خوب سے خوب تر صورت میں حاصل کرنا، یہ جائز نہیں مستحسن ہوا۔ اس انداز میں خواہشات پوری کرنے کے لیے پیداوار میں مسلسل اضافہ کرنا، پیداوار کو بیچنے کے لیے ایڈورٹائزنگ کے ذریعے خواہشات کو مزید بھڑکانا، خواہشات کے بھڑکنے کے نتیجے میں مزید مطالبات، مزید صرف و استعمال، یہ ایک نہ ختم ہونے والا چکر گلے کا ہار بن گیا۔

تکاثر کی مہلک بیماری نے زور پکڑا، جو ہلاکت کے گڑھے تک پہنچا کر ہی دم لیتی ہے، اور جس کی آگ کو علم یقین کے ذریعہ آج بھی دلوں اور چہروں میں بھڑکتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی لیے دنیا کی تمام آسائشیں دستیاب ہونے کے باوجود، دل بے اطمینانی سے سلگ رہے ہیں، اور عداوت و خون ریزی کی آگ بھڑک رہی ہے۔ جب تازہ خداؤں میں سب سے بڑا خدا، وطن بھی الٰہ بن گیا، تو پھر قومی مفادات کی خاطر عداوت و جنگ کی وہ آگ بھڑکی کہ دنیا مسلسل اس میں جل رہی ہے۔ اسلام نے تو انسانوں کو، ان کے گھروں اور وسائل معاش کو آگ سے جلانا بالکل منع کیا تھا۔ لیکن آج بموں کے ذریعہ انسان ہوں یا شہر، کھیت، کارخانے، سب کو جلانے کا نام ہی جنگ ہے۔

عوامی حاکمیت کے نام پر ملک الناس کا خدائی منصب سپرد تو عوام کے ہوا، مگر وہ بادشاہت کیسے کرتے۔ چنانچہ ان کی بادشاہت ۵ سال میں ایک مرتبہ بیلٹ پیپر استعمال کر کے اپنے نمایندے منتخب کرنے تک محدود ہوگئی، اور اصل بادشاہ یہ نمایندے بن بیٹھے۔ پجاری اور ملا تو مفت میں بدنام ہیں کہ خدا کے نام پر خدا بن جاتے ہیں، یہ نمایندگان جس طرح خود اپنے بادشاہوں کے بادشاہ بن بیٹھے ہیں، اس کی جھلک ریاست اور پارلیمان کی مطلق العنانی اور جبروت میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ریاست کا حکم صرف پبلک پالیسی اور حکومت تک محدود نہ رہا، بلکہ میاں بیوی کے جنسی تعلق، گھریلو زندگی، بچوں کی پیدائش اور پرورش، بیماری اور علاج اور تعلیم جیسے ذاتی دائروں تک پر محیط ہو گیا۔

خواہشات پوری کرنے اور ہر قسم کی حاجت روائی کے لیے انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنا مرجع اور ملجا و ماویٰ بنایا۔ کیونکہ خواہشات لامحدود ہیں، اس لیے لامحدود قدرت کی حامل ٹیکنالوجی منتہا و مقصود بنی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قدرت کے رازوں اور قدرت کے وسائل پر غلبے کی لامحدود پیاس پیدا ہوئی۔ کیونکہ ہر خواہش جائز ٹھہری، اس لیے، اس کی تکمیل کے لیے ٹیکنالوجی بنانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں صحیح اور غلط اور نیک و بد کی تمیز اٹھ گئی۔ علم کا بندھن تو رب کے نام سے ٹوٹا ہی تھا' اب سائنس اور ٹیکنالوجی بھی اخلاق اور خیر سے رسہ تڑا کر بے لگام ہو گئے۔ ایٹم بم ہو' تباہ کن جنگی ہتھیار ہوں' ماحولیات پر مہلک اثرات کی حامل ایجادات ہوں' یا نفس اور معاشرہ کے لیے تباہ کن ہوں یہ سب اسی بے مہار ٹیکنالوجی کا ثمر ہیں۔ ٹیکنالوجی تو خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے' لیکن جب علم کا رشتہ خدا کے نام سے کٹ گیا تو یہ سب کچھ ہونا ہی تھا۔

ٹیکنالوجی ایک خود رو' خود کار' خود افزوں' خود مختار مشین کی صورت میں نمودار ہوئی۔ جب یہ رب بن گئی' تو انسان خود اپنی پیدا کی ہوئی ٹیکنالوجی کا بندہ اور غلام بن گیا' اور وہ اس کی اطاعت کے شکنجے میں اس طرح کسا گیا کہ دم مارنے کی گنجایش نہ رہی۔ آزادی کے نام پر' ایک رحمٰن و رحیم' سمیع و بصیر' علیم و حکیم رب کی بندگی چھوڑنے کے نتیجے میں وہ ایک بے رحم' بے جان اور اندھی بہری مشین کا پرزہ بن گیا۔ اس کو اس قسم کے اختیار تو ہیں کہ کس ماڈل کی کار خریدے' کس چینل پر ٹی وی دیکھے' کس ڈاکٹر سے علاج کرائے' لیکن اس کو غالب ٹیکنالوجی سے انحراف کا کوئی اختیار نہیں۔

چنانچہ آزادیِ فرد کے تمام دعووں کے باوجود' قدرتی وسائل پر عدیم المثال قابو سے لیس ٹیکنالوجی نے' اور اس کے بل پر ریاست' معیشت اور میڈیا نے' ایک فرد انسانی کو اتنا مجبور و بے اختیار بنا دیا ہے' اور اس کی پوری زندگی کو' انتہائی پرائیویٹ زندگی تک تو' اپنے شکنجوں میں اس طرح کس لیا ہے' کہ وہ ان کی مرضی کا تابع ہو' تب ہی جنتِ ارضی میں درجات پاتا ہے' اس سے انحراف کرے تو اس کی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ انسان نے بدی کے سامنے مکمل خود سپردگی اختیار کر لی ہے' بلکہ بدی اس کے نزدیک بھلائی اور پسندیدہ بن گئی ہے' اور وہ اس کے خلاف جنبش کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔

ٹیکنالوجی کے بل پر انسان نے قدرت کی قوتوں کو اس طرح مسخر کر لیا ہے کہ اب وہ اپنی ہر خواہش کے پوری ہونے کو ممکن سمجھنے لگا ہے' آج نہیں تو کل۔ یہ قلب و معاشرہ کے امراض کا بہت بڑا سبب ہے۔ پھر خصوصاً رسل و رسائل اور ابلاغ کے جدید ذرائع نے فاصلوں کو اس طرح سمیٹ دیا ہے کہ اب ان کے سہارے' بدی چشم زدن میں مشرق و مغرب میں سنی اور دیکھی جا سکتی ہے' اور برسوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کر کے کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ اب ہر فساد عالم گیر ہے' اور برق رفتاری سے عالم گیر بنتا ہے۔

دکھ درد کی اس جہنم سے' جس میں آج ہم انسان جل رہے ہیں' نکلنا اور بچنا بالکل ممکن ہے' اور یہ باذن اللہ تمام تر ہمارے ارادے اور اختیار میں ہے۔ راستہ ایک ہی ہے' آسان اور صاف: ہم صرف اپنے پیدا کرنے والے کو اپنا الٰہ و معبود' اپنا رب' اور اپنا حاکم و بادشاہ بنائیں' زندگی کے ہر معاملہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اس راہ پر چلیں جس پر اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم چلے تھے' اور زندگی بھر موت کے بعد اس سے ملاقات کی تیاری میں اور اس کی آگ سے بچ کر اس کی جنت میں داخل ہونے کی طلب و جستجو میں لگے رہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنے علم اور عمل کا رشتہ اپنے خالق کے نام کے ساتھ جوڑیں' اور پورے کے پورے صرف اس کے بن جائیں جس نے زندگی بخشی ہے۔ اس لیے کہ ہم ایک خالق کی غلامی چھوڑیں گے تو بے شمار خدا ہماری گردنوں پر مسلط ہو جائیں گے' اس سے ملاقات کو بھول کر آخرت کی فکر نہیں کریں گے تو دنیا کی ہزار فکریں ہمیں گھیر لیں گی' اس کے رسول ؐ کی راہ پر نہ چلیں گے تو ہلاکت کے ان گنت راستوں پر جا نکلیں گے۔

یہی وہ پیغام اور نسخۂ شفا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ اسے انسانوں تک پہنچانا' اور اسے عملی جامہ پہنانا' آپ ؐ کے اوپر' تمام انبیا کی طرح 'فرض تھا۔ خاتم النبیین ؐ کے بعد اس فرض کی ادائیگی ہی امت محمدیہ کا مقصد وجود ہے' اور اس ادائیگی ہی پر امت کے اور انسانیت کے انجام کا انحصار ہے۔ اسی فرض کی ادائیگی کے لیے جماعت اسلامی بنی تھی' یہی اس کا مقصد ہے' اور اسی کے لیے وہ روز اول سے کوشاں ہے۔ اس مقصد اور پیغام سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ جماعت اسلامی انسانوں کی جماعت ہے' اس میں خامیاں بھی ہوں گی' اور اس سے غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی۔ اس کے اجتہادی اور سیاسی فیصلوں اور پالیسیوں سے لوگوں کو اختلاف بھی ہو سکتا ہے' اور ان کی نظر میں وہ غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن جماعت اسلامی محض ایک سیاسی جماعت نہیں جس کی سرگرمیاں انتخابات تک محدود ہوں' نہ ایک مذہبی جماعت جس کا محور و مرکز اعتقادی و فقہی مسائل ہوں۔ ہماری ساری جدوجہد کا مقصد صرف ایک ہے: ہم اللہ کے مطیع و فرماں بردار بن جائیں' اور اس کی رضا اور قربت حاصل کر سکیں۔ یہ رضا اور قربت ایک ایسے انقلاب کے لیے جدوجہد سے ہی حاصل ہو سکتی ہے جس کے نتیجے میں دلوں پر بھی اللہ کی حکومت قائم ہو جائے اور ساری زندگی پر بھی' پرائیویٹ ہو یا پبلک۔ اس جدوجہد کی ضرورت سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہوتا۔

جماعت اسلامی ہر مسلمان کو یہی صدا دیتی ہے کہ اگر آج پاکستان کی حالت زار و نزار ہے' مسلمان دنیا میں کمزور' ذلت و مسکنت میں مبتلا اور دشمنوں کے لیے تر نوالہ ہیں' اور ساری انسانیت دکھ درد کے جہنم میں جل رہی ہے' تو اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ مسلمانوں نے وہ مشن فراموش کر دیا ہے جو اللہ نے ان کے سپرد کیا تھا' اس فریضہ سے بے وفائی کر رہے ہیں جو اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سپرد کیا تھا۔ اس لیے ہم سب کا فرض ہے کہ خدا کے دین کے لیے اپنا وقت' اپنا مال اور اپنی قوتیں لگائیں' اختلافات کے باوجود جن کے دل میں اس فرض کی ادائیگی کے لیے جذبہ اور لگن میں وہ متحد اور جمع ہو جائیں' تاکہ سارا خیر جمع ہو کر ایک قوت بن جائے۔

ہمارے ملک اور ملت کی حالت اسی لیے بگڑتی چلی جارہی ہے کہ بدی منظم ہے اور سرگرم ہے'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جبکہ نیک لوگ گھروں میں بیٹھے ہیں' اور زبانی جمع خرچ کافی سمجھے ہوئے ہیں۔ اب یہ حالت ختم ہو جانی چاہیے۔ اگر ہر شخص اٹھ کھڑا ہو' جو کچھ بن پڑے وہ کرنا شروع کر دے ' اپنے وقت اور مال کا ایک معقول حصہ اللہ کے دین کے کام میں لگا دے 'تو وہ دن دور نہیں جب ساری تاریکیاں چھٹ جائیں گی اور روشن مستقبل کا سورج طلوع ہو گا۔

اس موقع پر چار باتیں ہم ان دوستوں کی خدمت میں بھی عرض کریں گے جو کسی نہ کسی حیثیت میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں:

۱۔ آپ کی قوت کا اصل خزانہ وہ اخلاص ' وابستگی 'لگن اور محبت ہے جو آپ کو اللہ ' اس کے رسول ؐ ' اور ان کے دین سے ہو۔ جب آپ زندگی میں اللہ اور اس کے کام کو اولین ترجیح دیں 'سب سے بڑھ کر محبت آپ کو اللہ اور اس کے رسول ؐ اور اللہ کی راہ میں جہاد سے ہو' جو کام کریں صرف اس کی رضا اور جنت کے حصول کے لیے کریں 'تب اللہ کی نصرت ضرور آپ کے ہم رکاب ہو گی۔

۲۔ اللہ کے دین کا کام کرنے کے لیے ' دوسری چیز یہ ضروری ہے کہ آپ عام انسانوں کے لیے رحمت ' احسان اور عدل کا نشان بن جائیں۔ کسی کو اپنے قول و فعل سے ایذا نہ پہنچائیں 'جس کی جتنی خدمت آپ کے بس میں ہو' اس سے دریغ نہ کریں۔

۳۔ اللہ کا اور اس کی مخلوق کا آپ کے اوپر سب سے بڑا حق یہ ہے کہ جو نسخہ شفا اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے اسے آپ ان تک پہنچائیں ' اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ جس طرح بھوکے کو کھانا کھلانا اور بیمار کی دوا کرنا' آپ کا فرض ہے 'جس کے لیے رب العالمین قیامت کے دن مدعی ہو گا' اسی طرح گم راہ کو ہدایت کی غذا پہنچانا' اور اخلاقی و روحانی مریض کو قرآن کی دوا پہنچانا بھی آپ کا فرض ہے۔ ہر مسلمان ' ہر جگہ 'اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر ہے۔ اگر۔ ا فی صد مسلمان بھی اس جذبہ اور شعور کے ساتھ سرگرم عمل ہو جائیں تو ایک انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

۴۔ مسلمان ہر طرح کے ہیں 'کمزور بھی قوی بھی 'نیک بھی اور گناہ گار بھی 'لیکن جن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے ' اور جو اللہ کے دین کے لیے اپنا حصہ ڈالنا چاہتے ہیں ' ان سب کو محبت ' نرمی اور شفقت کے ساتھ مجتمع کر لینے ہی سے دین کی سربلندی کی منزل سر ہو گی۔ اس مقصد کے لیے آپ ایک ایک بستی اور ایک ایک محلے میں ایسے لوگ تلاش کریں ' ان کو منظم کریں ' ان کا حلقہ بنائیں ' اصلاح معاشرہ 'تعلیم اور جہاد کے لیے ان کی کمیٹیاں بنائیں ' ان کمیٹیوں میں لوگوں کو ذمہ دار بنائیں ' اور ان کی خدمت اور مدد کریں تاکہ ایک ایک مقام پر خیر کی شمع روشن ہو ' دیے سے دیا جلے اور اللہ کے نور سے یہ سرزمین جگمگا اٹھے۔

© rasailojaraid.com